شہرِ آزر کے ہر بُت پر میرا نام لکھا رکھا ہے!

میں نے اپنے مَن کعبے میں ایک خلیل سجا رکھا ہے
جس نے میرے مصرِ بدن میں امن کا دیپ جلا رکھا ہے

میرے شہر کے بازاروں میں کوئی نہ یوسف بیچ سکا
ہم نے شہر کے دروازوں پہ فاتحِ روم بٹھا رکھا ہے

میں نے من کی آشاؤں کو صدیوں یوں قربان کیا
ذرّہ ذرّہ ماہ و انجم خونِ دِل میں رنگا رکھا ہے

اہلِ حرم کی بات نہیں ہے اہلِ عجم بھی واقف ہیں
شہرِ آزر کے ہر بُت پہ میرا نام لکھا رکھا ہے

ابنِ سبا کی سازش ہو یا اشتر کا بے ہنگم جوش
وارثِ عثمانؓ بن سفیانؓ نے سب کا کھوج لگا رکھا ہے

میں نے تیرے من مندر کے سارے پنڈت دیکھ لئے
آگ بدن میں لیکن منہ پہ آل کا نام سجا رکھا ہے

ابنِ علقمی اور خمینی زاغِ دخمہ، زاغِ دشت
لحمِ میتہ کھا کھا کے یہ جن کا رُوپ چڑھا رکھا ہے

سید عطاء المحسن بخاری

عطاء الحق قاسمی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام جب بھی میری زبان پر آتا ہے یا کسی دوسری زبان سے میں یہ نام سنتا ہوں تو ان کے کارناموں کا خیال ذہن میں بعد میں آتا ہے پہلے میں اس لذت اور حلاوت سے ہم کنار ہوتا ہوں جو اپنے خاندان کے کسی عزیز ترین فرد کے محبت بھرے تذکرے کی صورت میں دل و دماغ کو محسوس ہوتی ہے۔ انسان کا بچپن اس کی جوانی اور بڑھاپے کا ساتھی ہوتا ہے چنانچہ اس دور کی یادیں ساری عمر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلتی ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل امرتسر میں ہمارا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا گھر ایک ہی محلے میں تھا بلکہ جس گھر میں شاہ صاحبؒ رہتے تھے' وہ والد ماجد مولانا بہاء الحق قاسمیؒ نے اپنے لئے بنایا تھا' شاہ صاحبؒ کو وہ گھر پسند آ گیا چنانچہ والد ماجدؒ نے یہ گھر ان کے لئے خالی کر دیا[1] اور اس کے برابر میں دوسرا گھر تعمیر کر لیا' میں تو اس وقت بہت چھوٹا تھا بلکہ قیام پاکستان کے وقت میری عمر صرف چار سال تھی' والد ماجدؒ بتاتے ہیں کہ دو گھروں کے باوجود ہم ایک ہی گھر کے مکین تھے' ہمارے اور شاہ صاحبؒ کے خاندان کے افراد ایک دوسرے کے گھر میں اسی طرح داخل ہوتے تھے جیسے اپنے گھر میں داخل ہوا جاتا ہے' شاہ صاحبؒ ہمارے لئے تایا تھے اور والد ماجدؒ شاہ صاحبؒ کی اولاد کے لئے حقیقی چچا کی سی حیثیت رکھتے تھے' اس کے علاوہ ایک رشتہ دوسرا بھی تھا' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ میرے دادا حضرت پیر غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے جبکہ والد ماجدؒ انگریز استعمار اور اس کے قادیانی ایجنٹوں کے خلاف جدوجہد میں حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنا راہنما تصور کرتے تھے چنانچہ انگریزوں اور قادیانیوں کے خلاف جدوجہد کے دوران وہ جلسوں اور جیلوں میں بھی ایک دوسرے کے رفیق رہے بلکہ پاکستان بننے کے بعد جب ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران والد ماجدؒ کو تشدد کے لئے شاہی قلعے لے جایا گیا تو وہاں تفتیشی افسر نے تین دن کی شدید اذیت کے دوران ان سے کہا کہ اگر وہ یہ بیان دے دیں کہ تحریک میں حصہ انہوں نے شاہ صاحبؒ کے اکسانے پر لیا ہے تو ان کی "جان بخشی" ہو سکتی ہے' اس پر والد ماجدؒ نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم اس شخص سے یہ بیان لینے کی کوشش کر رہے ہو جس کے نزدیک زندگی اور موت دونوں عطیہ خداوندی ہیں اور تم شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ ختم نبوت کا درس شاہ صاحبؒ نے مجھے نہیں دیا بلکہ خود انہوں نے یہ درس میرے خاندان سے لیا ہے' لہٰذا اگر تم چاہو تو ان کے حصے کی سزا بھی مجھے دے سکتے ہو" چنانچہ باقی ماندہ قید کے دوران تفتیشی افسر نے والد ماجدؒ کی یہ خواہش پوری کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو ان کی ذات کے حوالے سے جاننے کا یہ بیان قدرے طویل ہو گیا ہے مگر اس بیان کی لذت میں میرا یہ افتخار شامل ہے کہ میں ان کی گود میں کھیلا ہوں' اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے بیان کی اہلیت سے باہر ہے' حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی اور دینی قد کاٹھ کے بارے میں کسی بونے کا کچھ کہنا اچھا نہیں لگتا' میرے منہ سے یہ باتیں کچھ جچتی نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے انگریز کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے قید و بند کی کس قدر صعوبتیں جھیلیں اپنے آرام کو قربان کیا' سیم و زر کو اپنے پاؤں کی خاک سے بھی کم تر جانا یا یہ کہ آج تک ان سے بڑا خطیب پیدا نہیں ہوا' یہ وہ باتیں ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کو عطاء الحق قاسمی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں۔ قیام پاکستان کے حوالے سے مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کے موقف کا علم ہے تاہم اس ضمن میں میرا معاملہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے ان لاکھوں عقیدت مندوں سا ہے جو ساری ساری رات شاہ صاحبؒ کی تقریر پر سر دھنتے تھے مگر صبح ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے' میرے نزدیک مجلس احرار ہندو کی ذہنیت کو سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئی تاہم مجلس احرار سے وابستہ علماء کی نیت پر شک کرنا' خود پر شک کرنے کے مترادف ہے۔

[1] یہ مکان حضرت شاہ جیؒ نے خرید لیا تھا۔